انسان کی اشد ترین ضرورت (فکری بالیدگی) قرآن کریم اور تاریخ کے تناظر میں: تحلیلی جائزہ

Human's most urgent need (intellectual maturity) in the context of the Holy Quran and history: an analytical review

Hafiz Waqas Nazar
PhD Scholar, Department of Quran and Tafsir, AIOU Islamabad
Email: Waqaspk313@gmail.com
ORCid: https://orcid.org/0000-0003-2426-9648
Dr Sanaullah Husain
Chairman Department of Quran and Tafsir, AIOU Islamabad
Email: sana.ullah@aiou.edu.pk

Abstract

Allah Almighty has blessed humankind with intellect and knowledge and the understanding of right and wrong, this is the main reason for his being the best of creation. Because of this, the world has been declared as a place of trial for humans. Due to intelligence and the ability to ponder, forced him to think about his beginning, the reality of this universe and its end, there are two solutions in front of man to solve these questions, of which There is a probable and a definite solution.
A study of the history of human thought leads to the conclusion that when man depended on the imaginary solution of these questions, he stumbled and through one system of thought after another the mind became entangled in more questions, and intellectual perversity. He ruined his life and made this beautiful world a battlefield for him.
The Holy Qur'an is a complete, and comprehensive book, as well as an excellent guide for humankind and a measure of right and wrong in various aspects of knowledge, that is why what one needs to dive into the oceans of knowledge, i.e., thinking and intellectuality, the Qur'an has also given a substantial share to this subject.
Allah gave regular importance to the maturity of thought and guided man through various aspects of thought and through evidence and arguments so that he could arrive at certain answers to these questions and build his life system according to this Qur'anic thought, so that may his own life be easy and beautiful, and at the same time may he be entitled to the position of Khilapah.
Keywords: Human, knowledge, intellectual maturity, universe, thought

تعارف

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو عقل ودانش اور صحیح وغلط کی سمجھ سے نوازا ہے، یہی اس کے بہترین مخلوق ہونے کی بنیادی وجہ ہے، جس کی وجہ سے دنیا کو انسانوں کے لیے آزمائش کی جگہ قرار دیا گیا ہے، ذہانت اور غور وفکر کرنے کی

صلاحیت ہی انسان کو اپنے آغاز، اس کائنات کی حقیقت اور اس کے انجام کے بارے میں سوچنے پر مجبور کرتی ہے، ان سوالات کے حل کے لیے انسان کے سامنے دو ہی حل ہیں، جن میں سے ایک ممکنہ اور ایک یقینی حل ہے۔

انسانی فکر کی تاریخ کا مطالعہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ جب انسان نے ان سوالات کے خیالی حل پر انحصار کیا تو وہ ٹھوکر کھاتا رہا اور ایک کے بعد ایک نظام فکر کے ذریعے ذہن مزید سوالات اور فکری کج روی میں الجھ گیا، اس نے اپنی زندگی برباد کر دی اور اس خوبصورت دنیا کو اپنے لیے میدان جنگ بنا دیا۔

تاہم قرآن کریم چونکہ ایک مکمل اور جامع کتاب ہے، ساتھ ہی ساتھ نوع انسانی کے لیے ایک بہترین رہنما اور علم کے مختلف پہلوؤں میں صحیح اور غلط کا پیمانہ بھی ہے، اسی لیے علم کے سمندروں میں غوطہ لگانے کی ضرورت، یعنی فکر و دانش، کو بھی قرآن نے خاصا حصہ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فکر کی پختگی کو باقاعدہ اہمیت دی اور فکر کے مختلف پہلوؤں اور شواہد و دلائل کے ذریعے انسان کی رہنمائی کی تاکہ وہ ان سوالات کے یقینی جوابات تک پہنچ سکے اور اس قرآنی فکر کے مطابق اپنی زندگی کا نظام تشکیل دے سکے، اپنی زندگی آسان اور خوبصورت بنا سکے اور ساتھ ہی وہ منصب خلافت کا حقیقی معنی میں حقدار بھی بن سکے۔

تاریخ انسانی میں فکری بالیدگی کی اہمیت اور قرآن کریم کا اس کو متعدد آیات میں موضوع بنانے کے سبب اس آرٹیکل میں فکری بالیدگی کا قرآن کریم اور تاریخ کے تناظر میں مطالعہ پیشِ خدمت ہے۔

سابقہ تحقیقات کا جائزہ

فکری بالیدگی، فکر کی حقیقت اور اس کے عناصر وارکان کو قدیم و معاصر محققین نے اپنی تحقیق کا دائرہ بنایا ہے، اردو، عربی اور انگریزی زبان میں انسانی فکر وفلسفہ، اس کے ارتقاء کی تاریخ، اس پر اثر انداز ہونے والے مؤثرات کو موضوعِ گفتگو بنایا گیا ہے۔ معاصرین میں سے عرب مؤلف ڈاکٹر محمد صادق عضیفی نے اپنی کتاب: الفکر الاسلامی، مبادئہ، مناھجہ، قیمہ، اخلاقیاتہ میں بطورِ خاص فکرِ اسلامی کی مختلف جوانب اور پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی کتاب: فکری تربیت کے اہم تقاضے اس موضوع سے متعلق بہت ہی اہم اور بنیادی نوعیت کی کتاب ہے۔

انسانی فکر کی تاریخ کے حوالے سے انگریزی کتب میں (A History of Philosophy)، (Mediaeval Studies)، اور اسی طرح (Philosophy in the Middle Ages) قابل ذکر ہیں، اور بہت ہی تفصیل کے ساتھ ان کتب میں انسانی فکر کے ارتقاء، اس پر اثر انداز ہونے والے مؤثرات، اور ان مؤثرات کی وجہ سے انسانی فکر میں آنے والی تبدیلیوں کو بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح موضوع کے ایک جزو جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے حوالے سے وہاب اشرفی کی مابعد جدیدیت: مضمرات و ممکنات بھی اس موضوع سے تعارف حاصل کرنے کے لئے ایک

مفید اضافہ ہے، نیز ڈاکٹر عبد الحفیظ فاضلی کی کتاب: **مسلم فکر کی قرآنی جہات** بھی فکری بالیدگی میں اسلام اور قرآن کے کردار کے حوالے ایک زبردست کاوش ہے۔

تاہم ان تمام ترکاوشوں میں یا تو صرف فکرِ اسلامی کو موضوع بنایا گیا ہے یا پھر عمومی انداز میں انسانی فکر، اس کی تاریخ، انسانی فکر کے ارتقاء، اور مختلف ادوار میں فکر پر مذہب کے تاثر کو موضوع گفتگو بنایا گیا ہے، جبکہ مقالہ ہذا میں موضوع کی اس جانب کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کے فکری بالیدگی کو دی گئی اہمیت، فکری بالیدگی کے حوالے سے قرآن کریم میں مذکور اصطلاحات، انسان کو درپیش فکری سوالات کے صحیح جوابات کی تلاش کے لئے میکانزم اور قابلِ اطمینان معیار کو متعین کرنے کی کاوش کی گئی ہے۔

فکر کا لغوی معنی

لفظِ فکر کا عربی مادہ "الفِکر"، "الفَکرُ"، "الفِکرَۃُ" اور "الفِکریٰ" ہے،[1] لفظ "الفِکر" کے پہلے حرف یعنی ف کو زیر اور زبر دونوں کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے، اور اس کی جمع "الأفکار" آتی ہے،[2] کلام عرب میں اس مادہ (ف، ک، ر) کا استعمال باب: ضَرَبَ یَضرِبُ،[3] افعال، تفعیل اور تفعُّل سے ملتا ہے۔[4] اس کا لغوی معنی غور و خوض کرنا، دل و دماغ کی محنت لگا کر کسی چیز کی گہرائی اور بنیادوں تک پہنچنا ہے۔[5]

فکر کا اصطلاحی معنی

فکر ذہنی کاوش کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے انسان کسی چیز، بات یا معاملے کی گہرائی کو پہنچتا ہے، کسی معاملے کے مختلف جوانب اور مظاہر کا احاطہ کرتا ہے، اس کی اصطلاحی تعریف متعدد اہلِ علم نے مختلف الفاظ اور مختلف تعبیرات کے ساتھ کی ہے، بطورِ نمونہ ابن منظور،[6] راغب اصفہانی،[7] اصحابِ "المعجم الوسیط"[8] اور طہ جابر علوانی[9] اور ڈکشنری آف برٹانیکا[10] کی تعریفات کو دیکھا جاسکتا ہے، البتہ اگر اس کی تعریفات کے مدعا کو سمجھنے کے لئے کسی آسان تعریف کا تعین کیا جائے تو سب سے آسان الفاظ میں کی جانے والی تعریف جرجانی کی ذکر کردہ "**ترتیب أمور معلومة للتأدي إلى مجهول**" ہے یعنی معلومات کو اس انداز میں ترتیب دینا کہ اس ترتیب کے ذریعے انسان نامعلوم تک پہنچ جائے تو اس ترتیب دینے کو غور و خوض یعنی فکر کہا جاتا ہے۔

فکر کے عناصرِ ترکیبی

فکر کی تعریفات پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس سے دو قسم کا معنی مراد لیا جاسکتا ہے، پہلا معنی کے مطابق فکر سے مراد ایک ایسی ذہنی ترتیب ہے جس کے ذریعے انسان معلومات سے مجہولات تک پہنچتا ہے، اور دوسرے معنی کے مطابق اس ترتیب کے نتیجے میں حاصل شدہ نتیجہ یا موقف فکر کہلاتا ہے یعنی ایسی عمیق اور سائنسی

ترتیب کے نتیجے میں جو موقف سامنے آتا ہے اس کو بھی فکر کہا جاتا ہے، تاہم ان دونوں معانی کی ترتیب سے فکر کے عناصر ترکیبی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

پہلے معنی (ترتیب ذہنی) کی صورت میں عناصر ترکیبی

پہلے معنی سے مراد فکر کو بمعنی تفکیر استعمال کرنا ہے، اس معنی کی صورت میں فکر کی حیثیت ایک آلے (ٹول) کی ہوتی ہے اور اس ٹول کی مدد سے قوی، اور ملکاتِ عقلیہ (عقل کی صلاحیتوں) کو حرکت میں لا کر موجود معلومات کے ذریعے مجہول اور نامعلوم چیزوں تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس معنی کے تناظر میں فکر کے عناصر ترکیبی کو حسبِ ذیل عنوانات کی صورت میں سمجھا جاسکتا ہے:

- امرِ واقعہ
- حواسِ خمسہ
- دماغِ انسانی
- معلوماتِ سابقہ
- ربط فی ماسبق

دوسرے معنی کی صورت میں عناصرِ ترکیبی

فکر کے اس دوسرے معنی کے تناظر میں واضح انداز میں اس کے عناصر ترکیبی کا تعین نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس صورت میں ذہن کا عمل یعنی ترتیب کی ساری مشق محض ایک طریقہ کار ہے اور اصلاً تو فکر وہ نتائج ہیں جو معلومات کو ترتیب دینے سے حاصل ہوں تاہم چونکہ اشیاء اور امور ان گنت ہیں تو ہر امر اور ہر معاملے سے متعلق فکر کے الگ سے ارکان ہوں گے۔

چنانچہ فکر اسلامی کے تناظر میں جب فکر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مقصود فکر کے پہلے معنی کے بجائے دوسرے معنی ہی ہوتے ہیں اور فکرِ اسلامی کو بطور ایک اصطلاح کے استعمال کیا جاتا ہے۔

اصطلاحِ فکر قرآن کریم کے تناظر میں

قرآن کریم میں غور و فکر کے لئے مختلف الفاظ ملتے ہیں، مادہ فکر کا استعمال قرآن کریم میں متعدد صیغوں کے ساتھ بارہ (12) مقامات (: سورۃ المدثر کی آیت نمبر 18، سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۹۱، سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۷۶، سورۃ یونس کی آیت نمبر ۲۴، سورۃ الرعد کی آیت نمبر ۳، سورۃ النحل کی آیت نمبر ۴۴، ۱۱، اور آیت نمبر ۶۹، سورۃ الروم کی آیت نمبر ۲۱، سورۃ الزمر کی آیت نمبر ۴۲، سورۃ الجاثیۃ کی آیت نمبر ۱۳، اور سورۃ الحشر کی آیت نمبر ۲۱) پر ملتا ہے۔

قرآن کریم میں مادہ فکر کے متعلقات

قرآن کریم میں فکر کے متعلقات کے طور پر "العقل"، "التدبر"، "التذکر"، "التفقہ"، العلم، اور "الاعتبار" ملتے ہیں، یہ تمام الفاظ کسی نہ کسی درجے میں مادہ فکر سے متعلق ہیں، تاہم عمومی طور پر قرآن کریم میں مادہ فکر کو لغوی معنی "إعْمال الخاطر في الشَّيء"(11) میں استعمال کیا گیا ہے۔

"العقل" قرآن کریم کے تناظر میں

مادہ ع،ق،ل کسی بھی چیز کو روک دینے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے،(12) کلامِ عرب میں ثلاثی مجر اور مزید دونوں قسم کے ابواب میں اس کا استعمال ملتا ہے، لوگوں نے اس کی مختلف انداز میں تعریف کی ہے، خلاصہ ان تعریفات کا یہ ہے کہ عقل ایسے فہم وادراک کو کہا جاتا ہے جو آدمی کو کسی ممنوعہ چیز کی طرف جانے سے روکے، اور ظاہر ہے کہ اشیاء کی صفات اور حسن وقبح اور کمال و نقص کو جان کر ہی انسان کسی چیز کو اختیار کرنے اور نہ کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔(13) باون مقامات پر مختلف صیغوں کے ساتھ اس لفظ کو قرآنی آیات میں لایا گیا ہے(14) اور عمومی طور پر فہم، غور وفکر اور فکر و تدبر کے معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔(15)

"التدبر" قرآن کریم کے تناظر میں

"التدبر" کا مادہ د، ب، ر ہے، باب ثلاثی مجرد سے اس کا معنی پیچھے آنا ہے،(16) اور باب تفعّل یعنی تدبّر کا معنی غور وفکر کرنا ہے، جرجانی کے مطابق اس کے اصطلاحی معنی "عبارة عن النظر في عواقب الامور"(17) جبکہ ابن قیم کے مطابق اس کے اصطلاحی معنی "تحدیق ناظر القلب الی معانیہ وجمع الفکر علی تدبرہ وتعقلہ"(18) (دیکھنے والے کا دل کو معانی کی طرف متوجہ کرنا اور قوت فکری کو غور وفکر اور فہم پر جمع کرنا) ہے۔ قرآن کریم میں یہ مادہ اڑتالیس مقامات پر مختلف صیغوں کے ساتھ آیا ہے(19)، اور عموماً کے معنی میں مستعمل ہے۔(20)

"التذکر" قرآن کریم کے تناظر میں

اس لفظ کا بنیادی مادہ ذ، ک، ر ہے، قرآن کریم یہ مادہ مختلف صیغوں کے ساتھ 242 مقامات پر آیا ہے،(21) اس مادے کو قرآن کریم میں متعدد معانی میں استعمال کیا گیا ہے، البتہ ان تمام معانی کو آٹھ الفاظ (اطاعت اور نیک عمل، یاد دہانی، توحید، شرف وعزت، وعظ ونصیحت، خبر، اور کسی چیز کی تفصیل کو بیان کرنے) میں جمع کیا جاسکتا ہے۔(22)

"التفقہ" قرآن کریم کے تناظر میں

"تفکر و تدبر" کا ایک متعلق "التفقہ" کا لفظ ہے، اس لفظ کا بنیادی مادہ "ف،ق،ہ" ہے، سورة "التوبة" کی آیت نمبر 122 میں اس مادے سے "لِّيَتَفَقَّهُوا" کا لفظ ملتا ہے۔(23) قرآن کریم میں اس مادے کو سمجھ حاصل کرنے کے معنی

میں استعمال کیا گیا ہے[24]، اور کسی بھی چیز کو سمجھنے کے لئے اس میں غور و فکر کرنا اور تہہ تک پہنچنا ایک لازمی عنصر ہے۔

"الاعتبار / العبرۃ" قرآن کریم کے تناظر میں

تفکر و تدبر کا ایک متعلق **"العبرۃ"** ہے اور یہ الاعتبار کا اسم ہے، اس کا مادہ "ع، ب، ر" ہے، قرآن کریم میں یہ مادہ سات مقامات پر لایا گیا ہے، اور اس مادے کو اپنے لغوی معنی یعنی ایک چیز کو اپنی ہم مثل چیز پر قیاس کرنے، وعظ و نصیحت اور سبق حاصل کرنے کے معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔[25] اور ایک چیز کو دوسرے پر قیاس کرنے، علت کی تلاش اور نتائج کا اخذ، یہ تمام امور بغیر غور و فکر اور تفکر و تدبر کے ممکن نہیں۔

"العلم" قرآن کریم کے تناظر میں

قرآن کریم میں فکر کے ایک متعلق **"العلم"** کو بھی متعدد آیات میں حصہ بنایا گیا ہے، اس کا مادہ "ع، ل، م" ہے جس کا لغوی معنی کسی بھی چیز کو دوسروں سے ممتاز کرنے والی علامت اور اثر ہے، اسی طرح اس کا معنی جاننا اور معرفت حاصل کرنا بھی کیا جاتا ہے[26] اور اصطلاحی لحاظ سے کسی بھی چیز کے متعلق یقینی حقیقت کو علم کہا جاتا ہے[27]، جیسے کہ سائنس کے لئے بھی العلم کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، قرآن کریم میں اس مادے کو سات سو اٹھتر (778) مرتبہ لایا گیا ہے[28] اور متعدد مقامات پر اپنے اصلی معنی یعنی معرفت، جاننے[29] اور یقین[30] کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

فکری اساس کی اہمیت و ضرورت اور قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو سمجھانا شروع کیا تو سب سے پہلے ان کی فکر ہی کو جھنجھوڑا، ان کی عقل کو اور ان کے اندر موجود ضمیر کو آواز دی، اس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سامنے، ان کے معبودانِ باطلہ کی بے بسی کو بیان کیا، اور جب بار بار بیان کرنے سے بھی ان کی فکری قوت بیدار نہ ہوئی تو عملاً سمجھانے کے لئے، ان کے تمام بتوں کو توڑ کر کلہاڑا ان کے بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا، چنانچہ جب قوم نے ان سے پوچھا تو، تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ اپنے اس معبود سے پوچھو کہ یہ کیوں حفاظت نہیں کر سکا، درحقیقت اس سوال کے ذریعے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی فکری قوت اور استدلال فکری کی طاقت کو بیدار کرنے کی کوشش کی کہ جب یہ تمہارے معبود خود اپنی حفاظت سے قاصر ہیں تو تمہاری کیسے حفاظت کر سکتے ہیں۔[31]

فکری کج روی / ایک سنگین رکاوٹ

اگر انسان کسی حوالے سے غلط فکر کا شکار ہو تو وہ غلط سمت میں چل پڑتا ہے، لیکن چونکہ اللہ جل جلالہ نے انسان کے اندر ہی ضمیر اور وجدان نام کی ایک صفت رکھی ہے، اس لئے اگر اس فطری صفت کو پھلنے پھولنے کا ذرا سا بھی موقعہ دستیاب ہو تو یہ چنگاری بھڑک اٹھتی ہے اور فطرت کی طرف انسان کو لا کر ہی رہتی ہے، اس کی ایک زندہ اور دورِ حاضر کی

مثال ہالینڈ کے پروفیسر ڈاکٹر آر-ایل-میلما(Professor Dr R.L Mellema) کے قبولِ اسلام کی سرگزشت ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جب تک میں نے اسلام کو یورپین لٹریچر سے پڑھا تو میں اسلام سے متاثر نہ تھا، بلکہ اسلام کو انسان کے لئے ایک مصیبت اور وبال جان ومال سمجھتا تھا، لیکن جب مجھے عربی میں مہارت حاصل ہوئی اور میں نے اصل مصادر سے اسلام کو پڑھا اور پھر پاکستان[32] میں آکر مسلمانوں کو قریب سے دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ انسانیت کے لئے نجات دہندہ صرف اسلام ہی ہے، کیونکہ یہ عدل وانصاف، انسان کی حریت، انسان کے اپنے رب سے بلاواسطہ تعلقات، جبر سے ماوراء، صداقت کو اہمیت دینے والا، روح اور مادہ دونوں کی اہمیت کو تسلیم کرنے والا اور محض قوانین کا مجموعہ نہیں بلکہ محبتوں کا ایک رواں دواں اور بھرپور زمزمہ ہے، اندازہ لگائیں کہ کیسے ہی اسلام کے حوالے سے ان کی فکر تبدیل ہوئی ،فوراًہی وہ اصل حقیقت کی طرف پلٹے اور انہوں نے اسلام کو قبول کر لیا۔[33] ان کے علاوہ دیگر بھی جن لوگوں نے اسلام قبول کیا،جب ان نومسلموں کی سرگزشتیں پڑھی جائیں جن میں انہوں نے اپنے اسلام قبول کرنے کے لئے ممد ومعاون بننے والے امور کو واضح کیا ہے، تو تقریباًہر جگہ یہی بات سامنے آتی ہے کہ اسلام کے حوالے سے ان کی فکر کج روی کا شکار تھی،وہ مسلسل اسلام کو اپنے لئے اور اہلِ دنیا کے لئے وبال اور مسائل کی جڑ سمجھتے رہے، لیکن جب ان کو اسلام سے شناسائی ہوئی اور ان کی فکر راہ راست پر چل پڑی تو بہت جلد اسلام نے ان کو اپنے دامن آغوش میں لے لیا، اور ان میں سے کئی ایک اسلام کے مبلغ اور داعی بن کر دیگر لوگوں کے لئے ہدایت کا ذریعے بنے اور بن رہے ہیں۔[34]

دلیل / عقل سے استفادہ قرآن کریم کے تناظر میں

اللہ جل جلالہ نے تخلیق انسان کے ساتھ ہی اس پر جو عظیم الشان احسانات فرمائے، ان میں ایک اہم اور بنیادی نوعیت کا احسان "عقل وشعور اور اختیار" سے نوازنا ہے قرآن کریم کی متعدد آیات میں انسان کو مختلف انداز میں اپنی عقل سے کام لینے کا درس دیا گیا ہے[35]، اسی عقل وشعور اور اختیار[36] کی وجہ سے ہی اس کو دیگر مخلوقات پر برتری حاصل ہے[37]، اور اسی عقل وشعور اور اختیار کی وجہ سے ہی اس کے لئے اس عالم کو بطور آزمائش اور امتحان کے رکھا گیا ہے[38] اور عالمِ آخرت میں انسان کو اس آزمائش کے نتائج سے آگاہ کیا جائے گا اور اس کے مطابق جو اس کی جزاو سزا بنتی ہے، اس کو عطا کی جائے گی، چنانچہ اللہ جل جلالہ نے انسان کی اسی صفت کا خیال رکھتے ہوئے، اس کے سامنے انفسی[39]، آفاقی[40] اور واقعاتی[41] دلائل کو رکھا ہے کہ انسان ان دلائل پر غور وفکر کرے اور اس کی عقل اس کے سامنے جو سوالات رکھتی ہے، ان انفسی، آفاقی اور واقعاتی دلائل کی روشنی میں ان سوالات کا حل تلاش کرے۔ خود قرآن کریم میں اللہ جل جلالہ نے انسان کی اسی صفت کو جلا بخشنے کے لئے اس کے سامنے کئی سوالات رکھے اور پھر خود ہی ان سوالات کے جوابات بھی عنایت فرمائے[42]، اس طرح اس انسان کی عقل کی آبیاری ہو اور یہ اپنی اس صفت کو استعمال کر کے رضا الٰہی کو حاصل کر سکے

، کیونکہ اللہ کو اندھا، بہرہ اور سوچ وبچار سے عاری انسان پسند نہیں، اور اللہ نے اپنے محبین کی یہ صفت بتلائی ہے کہ وہ اندھے، بہرے ہو کر نہیں پڑتے۔ [43]

انسانی فکر کی زبردست تشنگی: تصورِ عالم کا تعین

انسان کی اسی صفتِ عقل وشعور کی وجہ سے یہ عالم کے تصور کا تعین کرنا چاہتا ہے، یہ اس کی انتہائی اشد ضرورت ہے، اور اس ضرورت کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے ہی بہت سے لوگ ہسٹیریا کا شکار ہو جاتے ہیں، بہت سے جنون میں چلے جاتے ہیں اور کئی ایک خودکشی کی جانب چلے جاتے ہیں [44]، انسان اس سوال کے جواب میں سرگرداں ہے کہ یہ دنیا کیوں بسائی گئی، انسان کا اس عالم میں کیا مقام ہے، انسان کی کیا ذمہ داری ہے، کیا یہ سب کچھ انسان کے لئے بنایا گیا، اگر ایسا ہی ہے تو پھر انسان کو کیوں بنایا گیا، اور اگر ایسا نہیں تو پھر اس عالم کو کیوں سجایا گیا، انسان کا کائنات سے کیا تعلق ہے، کیا اس کائنات کا کوئی خالق ہے یا نہیں، اگر نہیں تو انسانی عقل یہ سوال اٹھاتی ہے کہ اگر دنیا میں کچھ بھی خود سے نہیں ہوتا بلکہ ہر عمل کے لئے عامل، ہر فعل کے لئے فاعل اور ہر تخلیق کے لئے خالق کا ہونا ضروری ہے تو یہ اتنی منظم اور بہترین ومتناسب کائنات خود سے کیسے وجود میں آ گئی، اور اگر کوئی خالق ہے تو اس خلاق کا اس کائنات اور انسان سے کیسا تعلق ہے۔ [45]

فلسفہ کی ایک شاخ: مابعد الطبیعیات کے ماہرین نے اس سوال کو موضوعِ بحث بنایا ہے [46] اور سامی وغیر سامی ادیان نے بھی اس سوال کو موضوعِ بحث بنایا ہے، یہاں تک کہ خود قرآن کریم میں بھی اللہ جل جلالہ نے اس سوال کے چند گوشوں سے پردہ اٹھایا اور کچھ مقاصد کا بیان کیا ہے، اور یہ ایک ایسا سوال ہے کہ درحقیقت اس سوال کے جواب میں انسان کے طرزِ عمل اور اس کے لئے نظامِ زندگی کا تعین ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر خالق کا اعتقاد رکھا جاتا ہے تو پھر پیمانے عدل وانصاف کے کچھ اور ہوں گے، حقوق وذمہ داریوں کے تعین میں اس کو کارگر مانا جائے گا، اس کی رضا کو برتری حاصل ہو گی، اور اگر خالق کے تصور کی نفی کی جائے یا خالق کو مانا تو جائے لیکن اس کو اختیارات سے بے دخل کر دیا جائے (جیسا کہ دورِ جدید کے بعض لوگوں کو ایسے خالق کو ماننے میں کوئی حرج نہیں جس کو انسانی زندگی میں کسی قسم کا کوئی اختیار حاصل نہ ہو) تو لامحالہ تصورات مکمل ہی بدل جائیں گے، عدل وانصاف، حقوق وذمہ داریوں کے تعین، اجتماعی وانفرادی رویوں کے کچھ اور ہی معیار ہوں گے۔ اس سوال کا جواب انسان کی صرف علمی یا نظری ضرورت نہیں کہ اگر اس کا جواب نہ مل سکے تو صرف علمی تشنگی رہے گی بلکہ اس کا تعلق انسان کی نفسیات سے ہے، اس کے عمل سے ہے، اسی تصور کے قیام کے مطابق انسان اپنا رہن سہن اور طرزِ زندگی طے کرتا ہے، بالفاظ دیگر انسان اس تصور کی روشنی میں اپنی زندگی کے لائحہ عمل کے تعین میں مجبور ہے، کیونکہ اس تصور کی نوعیت ہی اس کی زندگی کا راستہ معین کرتی ہے، صحیح تصور کائنات اس سے ایسے کام

سرزد کراتا ہے جو اس کی زندگی میں خوشیاں لائے اور غلط تصور کائنات کی وجہ سے انسان سے ایسے کام سرزد ہوتے ہیں جن سے اس کی زندگی مصائب اور تکالیف کا جہنم بن جاتی ہے۔ (47)

ضرورتِ بالا کا ظنی حل (انسانی عقل)

اس ضرورت کے حل کے لئے انسان نے اس بات کی بارہا کوشش کی کہ اپنے وجدان، عقل یا شعور کے ذریعے اس مسئلے کو حل کرے، سائنس کی فطرت کے مطابق سائنس اس سوال کا جواب دینے کی نہ تو پابند ہے اور نہ اس میں سکت ہے، کیونکہ سائنس کی فطرت یہ ہے کہ وہ ان چیزوں کے بارے میں علم مہیا کرنے کی پابند ہے جو اس کی گرفت اور دسترس میں ہوں، اور جو چیزیں اس کی دسترس یا گرفت میں نہ ہوں، سائنس نے اپنے آپ کو ان چیزوں کے جواب سے بری کر دیا ہے (48)، البتہ مابعد الطبیعیات کے ماہرین نے ان سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کی ہے جن کا جواب ان کی دسترس سے باہر تھا، اسی وجہ سے ان کے جواب میں انسان کی تسلی کا سامان موجود نہیں ہے، بلکہ ان کے جوابات ظن اور تخمین پر مشتمل ہیں اور ان کی طرف سے طے کردہ مفروضوں پر ہیں۔

ضرورتِ بالا کا یقینی حل (وحی الٰہی)

یہ بات محتاجِ بیان نہیں کہ انسان کو عطا کی گئی جتنی بھی طاقتیں یا اس کے حواس ہیں، ان کا دائرہ کار اور ان کی استعداد محدود ہے اور اپنی حدود سے باہر جھانکنے کے لئے اس کو خارجی عوامل اور مدد کی ضرورت ہوتی ہے، اگر انسانی آنکھ کو دیکھا جائے تو یہ ایک محدود مقدار میں دیکھ سکتی ہے، چیزیں اگر اس کے دیکھنے کی صلاحیت سے باہر ہو جائیں تو یہ دیکھ نہیں سکتی، اسی طرح ایک چیز ممکن ہے انسانی آنکھ کے قریب ہو لیکن دیکھنے کے لئے جس کثافت اور وجود کی ضرورت ہے، اگر کوئی چیز اس کثافت سے کم رکھتی ہو تب بھی اس کو وہ نظر نہیں آتی اور اس کو سہارا لینا پڑتا ہے، اسی طرح انسان کے باقی حواس بھی ہیں، اور ان ظاہری حواس کی طرح اس کی عقل، اس کا شعور اور اس کا وجدان بھی ایک حد تک ہی سوچ سکتا ہے، اس کی ایک بہترین انسان ہے کہ انسان کے حواس کے ذریعے اس کے قد، اس کے رنگ اور اس کی زبان کا تعین کیا جا سکتا ہے، اسی طرح انسانی عقل کے ذریعے اس بات کا تعین تو کیا جا سکتا ہے کہ اس کی پیدائش ہوئی ہے اور یقیناً اس کی کوئی والدہ ہے اور اسے ضرور کسی نے پیدا کیا ہے، لیکن کیوں پیدا کیا، کس مقصد کے لئے پیدا کیا، اس نے کہاں جانا ہے، یہ اس دنیا میں کیوں آیا ہے، ان باتوں کو جواب نہ ہی انسانی حواس کے پاس ہے اور نہ ہی انسانی عقل و شعور کے پاس، سو اسی نوعیت کے وہ تمام امور جو کہ انسانی حواس اور اس کے علم و شعور کے دائرے سے باہر ہیں، ان کے علم کے لئے بھی کوئی نہ کوئی ذریعہ علم ہونا چاہیئے سو ان باتوں کے حوالے سے یقینی علم کے لئے اللہ جل جلالہ نے وحی کا ذریعہ پیدا کیا اور ان امور سے متعلق یقینی علم وحی کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ (49)

فکرِ انسانی کا تاریخی ارتقاء

فکرِ انسانی کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ انسان کی تاریخ، تاہم ارتقاء جسمانی کے حاملین کے مطابق انسان جسمانی ارتقاء کی ممکن انتہاء کے بعد اب نفسیاتی (فکری) ارتقاء کے مرحلے میں ہے[50]، جبکہ ادیان، آسمانی صحائف اور بالخصوص قرآن کریم کے تناظر میں انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی اس میں عقل وشعور کی کیفیت رکھ دی گئی تھی اور اسی عقل وشعور کے سبب ہی جب اس کو چیزوں کا علم عطا کیا گیا اور ان کے نام اس کو سکھائے گئے تو یہ ان پوری معلومات کو محفوظ کر سکا اور مطالبے پر بتا سکا۔[51]

انسانی تاریخ کی فلسفیانہ فکری روایت کے چار ادوار

انسانی تاریخ کو دیکھا جائے تو اس کی فلسفیانہ فکری روایت چار ادوار میں تقسیم دکھائی دیتی ہے، قرونِ اولیٰ (1st Century) کی فکری روایت، قرونِ وسطیٰ (Middle Ages) کی فکری روایت، دورِ جدید (Modern Ages) کی فکری روایت، اور مابعد جدیدیت (Post Modernism) کی فکری روایت، ان چار ادوار کو ایک خط کھینچ کر تو باقاعدہ تقسیم نہیں کیا جا سکتا ہے البتہ انسانی تاریخ میں ہونے والے بڑے انقلابات اور ان انقلابات کی وجہ سے انسانی فکر کے زاویے کے تبدیل ہونے کو ایک نئے دور کا نام دیا جاتا ہے۔

پہلا دور: قرونِ اولیٰ کی فکری روایت / فلسفہ یونان

اس سے مراد قبل مسیح کی صدیاں ہیں، یونانی مذہب میں فلسفیانہ مباحث سے پہلے یہ تصور تھا کہ قابلِ مشاہدہ کائنات اور ہر چیز کو لافانی دیوتاؤں نے پیدا کیا ہے اور بدلے میں انسان اپنے محسنوں کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ان لافانی دیوتاؤں کی عبادت اور پرستش کرتا ہے۔[52]

پری سکریٹک فلاسفرز (Pre-Socratic Philosophers)

معلوم تاریخ[53] میں باقاعدہ طور پر انسان کی فکر کو سوالات کا عادی یونانیوں نے بنایا اور انہوں نے چیزوں کے بارے میں عقلی انداز میں سوچنا شروع کیا[54] تاہم ان کا زیادہ تر مدار موجودات اور محسوسات پر ہی رہا، اور مغیبات کی طرف انہوں نے اپنی توجہ مرکوز نہیں کی، چھٹی صدی قبل مسیح میں ان کے فکر وفلسفہ کو عروج حاصل ہوا اور تھیلس آف ملیٹس (Thales of Miletus) نے ان کے فلسفہ کو منظم کیا اور پانی سے کائنات کے آغاز کا تصور پیش کیا، البتہ یہ پہلا شخص تھا جس نے دیوتاؤں کے تصورات میں کھونے کے بجائے اپنی تلاش شروع کی، تاہم اس کے حوالے سے دو آراء ہیں، ایک یہ کہ یہ بذات خود اپنی اصل میں مفکر تھا اور اس کے مفکرانہ ذہن نے اس کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا جبکہ دوسری رائے کے مطابق اس کا یہ سوال خود سے نہیں تھا بلکہ اس نے اس نوعیت کی تحقیق اور سوالات بابلی اور مصری تہذیب کے

ذرائع سے تیار کیے تھے، اس طرح تھیلس نے دانشورانہ تحریک کا آغاز کیا اور پھر دیگر لوگوں نے بھی اس کی ترغیب میں آکر اس نوعیت کی تحقیقات اور سوالات شروع کر دیئے۔(55)

یونانی فکر و فلسفہ کے عروج کا دور

پہلی صدی قبل مسیح میں عقلیات کی ابتدا ہونے کے بعد یہ سلسلہ عروج پکڑ تا گیا اور یونان کے سیاسی حالات اور اقتدار کی رسہ کشی نے لوگوں کو مجبور کر دیا کہ اگر اقتدار چاہئے تو علمی ترقی کرنی ہو گی اور اچھا خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ عقلیات کا ماہر بھی ہونا پڑے گا، اس طرح ایک جماعت وجود میں آئی جن کو سوفسطائی کہا جاتا تھا، ان کا بنیادی منشور یہ تھا کہ عقل، اور علم کے ساتھ عمل کی انتہائی اشد ضرورت ہے، اور ہمیں مظاہر سے آگے نہیں سوچنا چاہئے کیونکہ حقیقت کا ادراک ناممکن ہے، پہلے سوفسطائی معلم: پروٹاگوراس نے اپنے آپ کا ایک بہترین مصلح کے طور پر پیش کیا لیکن کچھ ہی عرصے بعد اس کو دیوتاؤں کے انکار کے الزام کے ساتھ اپنی شہریت سے ہاتھ دھونے پڑے اور ملک بدر کیا گیا، اپنے نظریات کو ثابت کرنے کے لئے ان کو مناظرے کرنے پڑتے تھے اور مناظروں کے لئے ان کو عقلیات کا سہارا لینا پڑتا تھا ، تاہم ان کی عقلیات دن بدن کمزوری کی طرف جارہی تھیں کیونکہ انہوں نے بارہا لوگوں کو یہ باور کرایا کہ مظاہر سے آگے انسان کی دسترس نہیں، سو اس کو حق نہیں کے مظاہر سے آگے کے بارے میں سوچے۔

ان کے علوم میں تشکیک اور ارتیاب کے پہلو بہت ذیادہ تھے، جو کہ قوم کی علمی تباہی کے ساتھ اخلاقی تباہی کی طرف لے جانے والے اسباب تھے، سو عقلی آزادی اور تشکیک کے ان دریاؤں نے یونانی قوم کو نئی جہات میں غور و فکر کی دعوت دی، یہ پانچویں صدی قبل مسیح کا پس منظر ہے، اسی پس منظر میں سقراط نے ایک نیا نظریہ پیش کیا کہ حکمت کا کام اشیاء کی حقیقت سے آگاہی حاصل کرنا ہے، اور اس حقیقت تک رسائی یا اس کی تصدیق محض ادعائیت کے ساتھ نہیں ہو گی بلکہ اسباب و علل کی بنیاد پر نتائج اخذ کئے جائیں گے۔ مختلف لوگوں نے سقراط کے تصورات میں سے مختلف چیزوں کو لیا اور سابقہ تعلیمات کے ساتھ ملا دیا، لیکن اس کے خاص شاگرد افلاطون نے اس کی تعلیمات پر گہرائی سے غور کیا، اپنے استاد کی تعلیمات کو آگے بڑھایا، اور اس کے تصورات کی بنیاد پر مابعد الطبیعیاتی نتائج اخذ کئے اور ادراک تصورات اور فطرت انسانی کی بنیاد پر حصول علم اور حصول نتائج کا ایک نیا نظام پیش کیا، افلاطون کا فلسفہ سقراط کے فلسفے کا تسلسل بھی اور تکملہ بھی تھا۔ اس کا بنیادی دعوی تھا کہ فلسفے سے انسانی اخلاق کی اصلاح ہونی چاہئے کیونکہ محض نظری علم کسی فائدے کا نہیں ، اس کے بعد ارسطو نے خارجی شواہد پر مزید سرگرمی سے اضافہ کیا اور سقراط کے تصورات کو علمی کمال تک پہنچانے کے لئے افلاطون کے تصورات کو ناقدانہ انداز میں لیا اور اس میں سے ثنویت کو ختم کیا، اپنے استادوں کے برعکس ارسطو کے پاس وسائل ذیادہ تھے کیونکہ یہ اسکندر کا استاد بنا اور شاہی خزانے سے اس کے علمی حلقے کو مختلف اوقات میں عطیات ملتے

رہتے تھے، سو اس کے پاس ذرائع بھی زیادہ تھے، اسلوب تحقیق میں آزادی رائے، حقائق اور افکار میں جامعیت میں یہ کمال شخص تھا اور اس معاملے میں کوئی اس کا ہمسر نہ تھا۔[56]

یونانی فلاسفہ نے چونکہ انسان، کائنات، مابعد الطبیعیات، انسان کے اخلاق، علم کے مقاصد وذرائع، سیاسیات، اور مذہبیات کو موضوع تحقیق بنایا ہے، اور بہت منظم انداز میں حلقوں کے قیام کے ذریعے فکری روایت کو آگے بڑھایا، اسی لئے فکر وفلسفہ کے بانیان میں یونانی مفکرین وفلاسفہ کو شمار کیا جاتا ہے اور عمومی طور پر فکر وفلسفہ کی تاریخ کو یونانیوں سے بیان کیا جاتا ہے۔

دوسرا دور: قرونِ وسطی کی فکری روایت

قرونِ وسطی سے مراد رومن سلطنت کے زوال سے پندرہوی صدی کی نشأۃ ثانیہ تک کا عرصہ ہے، قرونِ وسطی میں وجود میں آنے والے فلسفوں کی وجہ سے قرونِ وسطی کو کئی حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

ابتدائی دور: عیسائی الٰہیات اور فکر وفلسفہ کا باہمی ربط

قرونِ وسطی میں فکری روایت ایک عرصے تک عیسائیت کے زیر اثر رہی اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ تیسری صدی میں یونانی فلسفے میں تخلیقیت کے ختم ہونے کے سبب زوال شروع ہو گیا اور ایک سو سال کے بعد چرچ سے وابستہ لوگوں میں سے سینٹ امبروز (St.Ambrose)، سینٹ وکٹورین (St.Victorinus) اور سینٹ آگسٹین (St.Augustine) نے عیسائیت کی تشریح کے لئے نوفلاطونیت (Neoplatonisim) کو عیسائیت میں ضم کرنا شروع کیا، اس طرح فلسفہ عیسائیت کے لئے دست راست بن گیا اور کئی امور کی عیسائی مفکرین نے عقلی تعبیرات اور فلسفیات نظریات دینے شروع کر دیئے اور یہی فلسفیانہ نظریات بعد ازاں مغرب کو ورثے میں ملے۔[57] اس سارے معاملے کا ایک اثر یہ ہوا کہ خانقاہیں اور چرچ تعلیم کے مراکز بن گئے اور بارویں صدی میں باقاعدہ انداز میں تعلیمی مراکز، سکولوں اور جامعات کے وجود تک مذہبی طبقے کی اجارہ داری قائم رہی اور اپنی اس اجارہ داری کو قائم اور برقرار رکھنے کے لئے وہاں کے لوگوں کو انتہائی سنگین حالات سے گزرنا پڑا، اسی وجہ سے اس دور کو آج بھی تاریک دور (The Dark Ages) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔[58][59] دراصل مذہب کے حوالے سے دو موقف تھے، ایک یہ کہ مذہبیات کے بارے میں عقلی غور وفکر کی بالکل بھی اجازت نہیں اور دوسرا موقف یہ تھا کہ عقل بذات خود آزادانہ حیثیت سے سچائی کا سفر طے کر سکتی ہے سو قرونِ وسطی کی فکر میں ابتدائی طور پر اس بات کا خیال رکھا گیا تھا کہ الٰہیات اور فکر وفلسفہ کے مابین توازن قائم کیا جائے اور فکر وفلسفہ کی مدد سے الٰہیات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے[60]، سو پانچویں صدی سے لے کر بارویں صدی تک مغرب میں فکر وفلسفہ عیسائیت کا خدمت گار رہا، اور چونکہ مرکز خانقاہیں اور چرچ ہوا کرتے تھے، اس لئے مذہبی پیشوادن

بدن مزید طاقتور ہوتے گئے، 1050ء تک کا عرصہ اسی صورتحال میں گزرا اور اجارہ داری چرچ سے وابستہ پادریوں کے پاس ہی رہی۔ پانچویں صدی میں رومن امپائر کے زاول کے بعد پادری مختلف قسم کی مذہبی تنازعات اور روایتی تنگ نظریوں میں مبتلا رہے، یہی ان کا واحد مشغلہ تھا، سو اس عرصے میں کوئی دانشورانہ اور ضروریاتِ زندگی سے متعلق کوئی خاص افادیت والا کوئی کام نہیں کیا گیا۔(61)

دسویں صدی سے پہلے مغرب میں عقلی قیاس آرائیاں کم پڑگئی تھیں اور اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ دوسری اور تیسری صدی میں کچھ عیسائی راہبوں نے فلسفے کو عقیدے کے لئے خطرناک قرار دیا تھا، تاہم ساتھ ہی ایسے راہب بھی موجود تھے جو کہ فلسفے میں دلچسپی لیتے تھے، اس طرح یہ دونوں فکریں پروان چڑھ رہی تھیں۔(62)

درمیانی دور: احیاء کا آغاز

گیارویں صدی عیسوی سے 1450ء تک کا دور قرونِ وسطی کا درمیانی دور کہلاتا ہے، اس دور میں تعلیمی مراکز خانقاہوں اور چرچ سے سکولز اور جامعات کی طرف منتقل ہونے شروع ہوگئے، چنانچہ اس دور کے معروف ادارے: سکول آف چارٹرز نے بہت اہم کردار ادا کیا، اس سکول سے کئی سارے چرچ وابستہ تھے لیکن کسی نے بھی کلاسیکی نصاب کے احیاء کے حوالے سے ان سے رابطہ نہیں کیا، اس سکول کے عظیم اساتذہ نے طلبہ کو اپنے اسلاف کا احترام سکھایا اور کے ذہنوں میں یہ بات بٹھائی کہ اگر آج ہم اپنے اسلاف سے زیادہ دیکھ سکتے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ ہماری نظر گہری ہے بلکہ یہ اس لئے ہے کہ ہم بڑے قد کے کندھوں پر پروان چڑھائے گئے ہیں، اس طرح ان اساتذہ نے طلبہ کا ماضی کے ساتھ رشتہ مضبوط کیا۔ اس سکول کا عظیم کارنامہ یہ تھا کہ اس نے طلبہ کو فلسفیانہ مضامین کو ایک نئے انداز سے پڑھایا، اور متن کی محتاط تفسیر کے ساتھ باریک نکات پر غور کرنا سکھایا، کلام کے مجموعی معنی اور نکات پر غور کرکے جدید تعبیر کے ساتھ تشریح کرنا بھی طلبہ کو سکھایا۔(63) اس دور میں مغرب کی آبادی بڑھتی ہے، جس کی وجہ سے لوگ ان بیابانوں کی طرف ہجرت کرتے ہیں جو کہ کسی زمانے میں آبادیاں تھیں لیکن حملوں کی زد میں انے کی وجہ سے وہ مقامات بیابانوں اور کھنڈرات میں بدل گئے تھے، اس وجہ سے ایک زبردست ثقافتی انقلاب آتا ہے، لہذا مغربی فلسفے کی پوری تاریخ متاثر ہوتی ہے، لبرل آرٹس پر مبنی ، پرانے اور لاطینی کلاسیکی ادب پر زور دینے والے نظام تعلیم کے بجائے منطقی، جدلیاتی اور سائنسی تعلیم پر مشتمل نیا نظام تعلیم رائج ہوتا ہے اور اس انقلاب کی بنیادی وجہ ارسطو کی منطقیات کے ترجمے کی تحریک ہی بنی۔ اسی ترجمے کی تحریک کے سبب عربی ادب کو بھی مغربی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا، اور اس دوران آکسفورڈ یونیورسٹی کے مختلف پروفیسرز نے فطرت کے انفرادی واقعات، عالمی تجرباتی اصول اور ریاضیاتی قوانین کو موضوع بنایا، اور نتیجۃً خدا کو غیر تخلیق شدہ روشنی کے طور پر پیش کیا، الغرض یہاں تک بھی الٰہیات موجود تھیں اور خدا کے وجود پر یقین بھی موجود تھا، اور آکسفورڈ سے ہی منسلک

راجر بیکن (Roger Bacon) نے الٰہیات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تجرباتی اور ریاضیاتی طریقوں کو قدرتی سائنس کی کلید بنایا اور واحد عالمی معاشرے یعنی جمہوریہ عیسائی کی تجویز بھی پیش کی اور واضح کیا کہ یہ جمہوریہ پوپ کی قیادت میں پوری انسانیت کو متحد کرے گی۔ الغرض اس وقت بھی مغرب میں فکر پر عیسائیت کی چھاپ رہی، اور یونانی اور عربی ویونانی ادب کو ترجمہ کرنے کی وجہ سے اگرچہ فکر میں کچھ تنوع ضرور پیدا ہوا تاہم پھر بھی اس وقت کے فلاسفر ز میں ایسے لوگ موجود تھے جو یونانی فکر اور اسلامی فکر کو اپنی فکری اساس کے لئے خطرہ سمجھتے تھے، اس لئے وہ اسلامی فکر کے خلاف بھی سرگرم رہتے تھے، جیسے کہ یونیورسٹی آف پیرس کے ولیم اوورگن (William Auvergne) تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہوئی عقلیت پسندی اور عربی ادب سے متاثر ہونا روایت پسند مذہبی طبقے کو ناگوار گزر رہا تھا، وہ لوگ وقتاً فوقتاً وہ اس کا اظہار بھی کرتے تھے اور اس طرح اس طبقے کے خدشات کو تصدیق ملنے لگی کہ عقلیات اور اسلامی فکر عیسائیت اور اس کی فکری اساس کو تباہ کردے گی، اس تناظر میں پیرس کے بشپ نے عقلیت پسندی پر مبنی نظریات کی مذمت کی اور آرچ بشپ نے آکسفورڈ میں اسی طرح عقلیت پسندی کی مذمت کی، چنانچہ اس سلسلے میں لوگ مزید شکوک وشبہات کا شکار ہوتے گئے اور فلسفے اور الٰہیات کی حتمی مفاہمت کے بارے میں مزید کم امید ہوتے گئے۔[64]

قرونِ وسطیٰ کا آخری دور

قرونِ وسطیٰ کے آخری دور میں فلسفے میں موجود سابقہ نظریات کو جاری رکھا گیا البتہ نظریات میں تنوع ہونے کی وجہ سے مختلف نظریات کے حامل لوگوں کو باضابطہ طور پر مختلف مکاتب فکر قرار دے دیا گیا اور ہر مکتب فکر کے لئے الگ نام مقرر کر دیا گیا، اسی تناظر میں ڈومینیکن ترتیب (Dominican order) میں، تھامس ایکیناس (Thomas Aquinas) کے مذہبی اور فلسفیانہ نظام، اور تھومزم کو سرکاری تعلیم بنادیا گیا، حالانکہ ڈومینیکن ہمیشہ اس پر سختی سے عمل نہیں کرتے تھے، جان آف جنڈون جیسے فلسفیوں کے ذریعہ پروان چڑھایا گیا ایورروازم (Averroism)، نشاۃ ثانیہ میں ایک اہم اور اضافوں سے پاک متحرک عنصر رہا، فرانسسکن ترتیب میں، جان ڈنس اسکوٹس اور ولیم آف اوکہم نے الہیات اور فلسفے کے نئے انداز تیار کیے جو کہ قرون وسطیٰ کے آخر میں تھومزم (Thomism) کا حصہ تھے۔[65]

پروٹسٹنٹ کا آغاز

سابقہ تفصیلات میں یہ بات سامنے آچکی ہے کہ چرچ سے وابستہ افراد یعنی پادریوں اور راہبوں نے غیر معمولی اختیارات حاصل کر لئے تھے[66]، اور انہی اختیارات کا وہ ناجائز استعمال بھی کر رہے تھے، انہوں نے مغفرت نامے بیچنا شروع کر دیئے تھے[67]، اور مقدس کتاب کی تعلیم حاصل کرنے کی عام آدمی کو اجازت نہ تھی، کیتھولک چرچ خدا اور بندوں کے درمیان واسطے کا کردار ادا کر رہا تھا، اس لئے وقتاً فوقتاً اصلاح کی مختلف تحریکیں اٹھیں لیکن پادریوں کے سامنے

ان کی نہ چلتی اور ان اصلاحی تحریکوں کے نمائندوں میں سے کئی کو جلاوطن ہونا پڑا، کچھ کو جلادیا گیا اور کچھ کو سنگسار کر دیا گیا[68]، چنانچہ پندرویں صدی سے اصلاح کلیسا کے نام پر عیسائیت کے پیروکاروں میں سے کچھ لوگ اٹھے اور انہوں نے اصلاح کلیسا کے نعرے کے ساتھ کیتھولک کلیسا سے علیحدگی اختیار کرلی، اس جماعت کا بانی مارٹن لوتھر شمار کیا جاتا ہے، یہ استاد ہونے کے ساتھ ساتھ راہب بھی تھا، اس نے 95 نظریات کے عنوان سے ایک پرچہ شائع کیا اور اس میں کیتھولک چرچ کو 95 ایسے مسائل پر مباحثے کی دعوت دی جن میں مارٹن لوتھر کے مطابق کیتھولک چرچ عیسائیت کو یا تو چھوڑ چکا تھا یا ان میں اضافہ کر کے ان کی شکل بگاڑ دی تھی۔

تیسرا دور: فکر کی نشاۃ ثانیہ / جدید فکر و فلسفہ

نشاۃ ثانیہ کا دور پندرویں صدی سے ستر ویں صدی تک کا زمانہ کہلاتا ہے[69]، نشاۃ ثانیہ میں بہت اہم کردار ابن رشد کی تشریحاتِ ارسطو وافلاطون نے ادا کیا، ان تشریحات کا لاطینی زبان میں ترجمہ ہوا تو مغرب میں حالات نے پلٹنا شروع کیا، فکر کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے نتیجے میں ایک نیا فلسفہ پیدا ہوا جس کا دورانیہ تقریبا 150 سال یعنی 1750ء تک کے عرصے پر مشتمل ہے۔ اٹلی سے نشاۃ ثانیہ کا آغاز انسان دوستی (Humanism) سے ہوا، جبکہ یورپ کے دیگر ممالک میں اس کا رخ سائنسی تحقیق کی طرف مڑ گیا۔ انسان دوستی کے تناظر میں مابعد الطبیعیاتی زندگی کے بجائے انسان کی موجودہ اور مادی زندگی کو موضوع بحث بنایا گیا، انسانی فطرت، اس کے مظاہر، اور انسان کے وقار پر زور دیا گیا، آزادانہ تحقیق اور ناقدانہ ذہن کی حوصلہ افزائی کو بطور روش کے اختیار کیا جانے لگا۔[70] اس فلسفے کو روشن خیالی (Enlightenment) کہا جاتا ہے۔

فکر کی نشاۃ ثانیہ سے روشن خیالی (Enlightenment) تک کا سفر

طاقت کا سرچشمہ مذہبی طاقتوروں سے سیکولر لوگوں کی طرف منتقل ہونا شروع ہوا، جاگیردارانہ نظام ٹوٹنے لگا اور اس کی جگہ قومی اور شہری ریاست کا تصور ابھرنے لگا، یوں سیاسی فلسفہ بھی تبدیل ہونے لگا، ریاست کے تصور، اس کے استحکام، اس کی ذمہ داریوں اور بین الاقوامی انصاف کی اصطلاحات پر بات چیت شروع ہوگئی۔[71] علم ایک طاقت ہے، اس نظریے کے ساتھ فرانسس بیکن[72] نے لوگوں کو متوجہ کیا اور اور لوگ علم کے حصول میں لگ گئے[73]، لوگوں نے اب محض مذہبی روایات کے بجائے عقل کو ترجیح دینا شروع کیا، چنانچہ سابقہ بہت سے نظریات کے مقابل نظریات سامنے آنے لگے جیسے کہ زمین اور سورج کی حرکت اور گردش کا جدید نظریہ[74] کلیسا کے لئے دھماکہ ثابت ہوا، چنانچہ کئی ماہرین علم کو زندہ جلادیا گیا[75]، انہی لوگوں میں سے ایک شخص برونو (Giordano Bruno) تھا، جس کو کوپرنیکس (Copernicus) کے نظریہ گردش سورج وزمین کے پرچار میں زندہ جلادیا گیا تھا[76]، اسی تناظر میں مشرق

میں بارود کی ایجاد، پریس (چھاپہ خانے) کی ایجاد اور کمپاس نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور علم عام ہونا شروع ہو گیا، اسی طرح انجیل کے بھی تراجم ہو کر عام عوام کی دسترس میں آنے لگے، نیز اس دور میں انسان روشن خیالی میں قدم رکھ رہا تھا، اور اس بات کے قوی امکانات موجود تھے کہ اب عنقریب اس کے تصورات میں بدلاؤ آنے والا ہے۔[77] اس فلسفے کے نتیجے میں لوگوں نے نئے انداز اور نئے زاویوں سے سوچنا شروع کیا اور یوں دنیا کے سامنے تجدد پرستی (Modernity) کی شکل میں ایک نیا فلسفہ آیا اور اس کا مظہر 1960ء تک جدیدیت (Modernism) کی صورت میں ظاہر ہوا۔

تجدد پرستی (Modernity) بطور فکر اور جدیدیت (Modernism) بطور مظہر

فکر و فلسفہ کی نشاۃ ثانیہ کے نتیجے میں پیدا ہونے والی فلسفہ روشن خیالی (Enlightenment) کی صورت میں انسان کے لئے کائنات پر غور و فکر کے زاویے اور پیمانے بدل گئے، چنانچہ علوم اور فکر و فلسفہ کا یہ احیاء صنعتی انقلاب پر منتج ہوا، جس کے سبب مغرب نے سادگی کے دور سے مشینی دور میں قدم رکھا اور اہل مغرب طویل تاریک دور کے بعد روشنیوں کے سمندر میں اترے۔ یہ دور اٹھارویں صدی کے اخیر سے بیسویں صدی کے آغاز تک کا دور ہے[78]، اس انقلاب کے سبب فکر و فلسفہ کے تصورات میں بھی تبدیلی آئی، اسی تبدیلی کو جدیدیت کہا جاتا ہے، پہلی مرتبہ 1960ء میں اس تصور کو ڈینیل لرنر (Daniel Lernar) نے بطور تھیوری (Developmental Theory) پیش کیا، جدیدیت سے منسلک لوگوں کی جانب سے دعوی کیا گیا کہ اگرچہ انسان نے روشن خیالی کے سبب مذہبی جبر سے آزادی حاصل کر لی، لیکن ظاہر ہے کہ انسان اس کے نتیجے میں محض ایک عقلی وجود بن کر رہ گیا اور عقلی جبر اس پر مسلط ہو گیا، چنانچہ یہ نظریہ پیش کیا گیا کہ عقلی جبر بھی درست نہیں اور یہ انسان کی بنیادی آزادی (Fundamental Freedom) کے خلاف ہے، اسے عقل کے سامنے مجبور ہونا پڑتا ہے، یوں تجدد پرستی (Modernity) وجود میں آئی جس کا بنیادی خاصہ ہر قسم کے جبر سے مکمل آزادی ہے، اور آگے جا کر یہی مکمل اور ہر قسم کی آزادی لبرلزم (Liberalism) پر منتج ہوئی۔ جدیدیت کے مقابلے میں روایت پسندیت ہے، جس کا بنیادی خاصہ ایسا نظامِ شعور و علم ہے جس میں انسان، کائنات اور خدا کے تعلق سے ایک تکون بنتی ہے، جبکہ جدیدیت میں نظام شعور و علم سے خدا کو نکال دیا گیا ہے اور علم و شعور کا تعلق صرف انسان اور کائنات کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔

اگر آسان الفاظ میں اس کی تعریف کی جائے تو یوں کہا جا سکتا ہے "ہر قسم کی روایت سے بے اطمینانی اور انحراف کے سبب علمی اور تہذیبی سطح پر پیدا ہونے والے رویوں کے مجموعے کا نام جدیدیت ہے، اس کے آثار انفسی بھی ہیں اور آفاقی بھی ہیں۔"، گویا جدیدیت ایک نئے آدمی اور بالکل نئی دنیا کا نقطہ آغاز ہے، اور مسلسل حرکت میں ہے۔

جدیدیت (Modernism) کا بنیادی اصول عصبیت ہے، یعنی اس کو کسی بھی قسم کا خدائی وجود، کسی بھی قسم کی اخلاقیات اور کسی بھی قسم کی معاشرت اقدار قبول نہیں ہیں۔

مابعد جدیدیت (Post Modernism) بطور فکر

جدیدیت کا دوسرا بنیادی خاصہ یہ ہے کہ جدیدیت کسی بھی ایک صورت اور فلسفے کو قبول کرنے پر راضی نہیں، اور اس کے مطابق انسانی عقل کا صرف یہ کام ہے کہ انسان کو کوئی بھی مسئلہ درپیش ہو تو انسانی عقل اس مسئلے کا فوری حل دے دے تاکہ انسان کی آزادی پر کسی قسم کی کوئی قدغن نہ لگے، اور انسانی عقل کا یہ کام نہیں کہ وہ ماوراء طبیعیات کے بارے میں زیادہ سوچے، اسی وجہ سے یہ مسلسل حرکت میں ہے اور مابعد جدیدیت کے زمانے میں نئے تصورات ابھر کر سامنے آئے۔

مابعدِ جدیدیت کا زمانہ بیسویں صدی سے شروع ہے اور تاحال جاری ہے، جدیدیت کے مفکرین میں میشل فوکو (Michel Foucault) آخری شخص ہے جس نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ ایک زمانے کا علمی رویہ (Episteme) دوسرے زمانے کے لئے حجت نہیں بن سکتا، کیونکہ ہر زمانے کا رویہ اس زمانے میں موجود نظریات، تہذیب، سیاسی حالات، طاقت کے سرچشموں اور دیگر امور سے ضرور متاثر ہوتا ہے، اسی تناظر میں حقیقت کو دریافت کرنے میں جدیدیت ناکام ہو چکی ہے، کلاسیکیت فنا ہو چکی ہے اور حقیقت کو دریافت کرنے والے تمام تصورات فیل ہو چکے ہیں، لہذا اب انسان اور اس سے متعلق امور کو دریافت کرنے کے لئے نئے تصورات کی ضرورت ہے جو کہ سابقہ تمام تصورات سے مکمل طور پر بیزار ہو۔[79]

مابعد جدیدیت کا پس منظر

مابعد جدیدیت کے تبدیل شدہ تصورات میں بہت بڑا کردار جنگ عظیم اول و دوم کا ہے، دراصل روشن خیالی کے نتیجے میں جب سائنسیت کا دور شروع ہوا اور مغرب نے ببانگ دہل اس بات کا اعلان کیا کہ انسان کی فلاح کا واحد راستہ سائنس اور سائنسی ترقی ہے، اور ترقی کا دوسرا اصول مذہب سے مکمل براءت ہے تو اس اعلان کے بعد یہ توقع تھی کہ کم از کم مغربی اقوام اب چین و سکون کی زندگی گزاریں گی، لیکن دیکھنے میں معاملہ اس کے برعکس آیا کہ ایک ہی پس منظر کی اقوام جب آپس میں لڑ پڑیں تو دنیا نے یہ دیکھا کہ انسانیت کے ساتھ کس قدر ظلم کیا گیا اور ظلم کی نئی سے نئی شکل کو وجود دینے میں سائنسی آلات نے انتہائی آسانی پیدا کی، اور کیسے کنٹینرز میں ڈال کر انسانوں کو بھسم کیا گیا اور کیسے انسانیت کو انتہائی سفاکی سے گزرنا پڑا، تو نتیجۃً مابعد جدیدیت کے مفکرین نے از سر نو غور کرنا شروع کیا، اور جدیدیت کے ردعمل کی صورت میں مابعد جدیدیت کے تصورات سامنے آنے لگے۔ نیز ان کا ماننا ہے کہ تمام تر آراء کے اختلافات کے باوجود ایسے

روپے اور اسی سماجی چیزیں موجود ہیں جن کو مہابیانیے قرار دیا جاسکتا ہے، جیسے کہ گاڑی میں بیٹھنے پر سب متفق ہیں چاہے کوئی خدا کے وجود پر یقین نہ رکھے یا رکھے، کیونکہ اس یقین کا اس معاملے پر کوئی اثر نہیں پڑرہا، سو قدیم فلسفوں اور مذاہب کی بنیاد پر انسانوں کو تقسیم کرنے کے بجائے ایسے مہابیانیوں کو تلاش کیا جائے اور انہی کو آپس کے تعلق اور سماج کے لئے اساسی قرار دیا جائے۔ سابقہ تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ مابعد جدیدیت کا بنیادی اصول انحراف ہے، لہذا جیسے اس فلسفے کے ماہرین نے جدیدیت سے انکار کیا، اسی طرح ما قبل جدیدیت کے فلسفہ وفکر سے بھی ان کو انکار ہے، اور اسی انکار وانحراف کے ستونوں پر ہی مابعد جدیدیت کی پوری عمارت کھڑی ہے۔

نتائج بحث

1. قرآن کریم میں انسان کو صرف عملی زندگی سے متعلق رہنمائی فراہم نہیں گئی بلکہ اس کی فکری بالیدگی کو بھی انتہائی اہمیت کا حامل قرار دیا گیاہے، تفکر وتدبر کو اختیار کرنے کے لئے قرآن کریم نے مختلف مترادفات اور متعلقات کے ذریعے انسان کو مخاطب بنایااور اللہ جل جلالہ نے بار بار انسان کو اس بات کی جانب متوجہ کیا کہ محض اندھے بہرے ہو کر نہ پڑے رہو، بلکہ غور وفکر سے کام لو، اور عقل کا استعمال کرو۔
2. انسانی فکر کو درپیش سوالات کو حل کرنے کے لئے ظنی حل (عقلِ محض) کے بجائے یقینی حل (وحی) کی جانب رجوع کیا جائے تو انسان کی ذہنی تشنگی بہتر انداز میں دور ہو سکتی ہے، عقل سے مکمل انکار درست ہے اور نہ ہی عقل کو مکمل خود مختار بنانا درست ہے، انسانی فکر کے ارتقاء کے تناظر میں یہ بات اچھی طرح واضح ہو چکی ہے کہ افراط وتفریط کے ان دونوں کناروں پر انسانوں نے محض تباہی ہی دیکھی، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ فکرِ اسلامی اور قرآن کریم کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا جائے، اور بحیثیت نظام اور بحیثیت فکر اس کو اختیار کیا جائے ، اسی میں انسانوں کی بھلائی اور اس جہان کا امن وسکون پنہاں ہے۔
3. بنیاد پرستی، انتہاء پسندی، روشن خیالی، ہیومنزم، جدیدیت، مابعد جدیدیت کے فکر وفلسفوں کے باوجود انسان کی بے چینی اس بات کی علامت ہے کہ کہیں نہ کہیں فکری کج روی کا شکار ہو رہے ہیں، چنانچہ فکر کے سوالات کو قرآن کریم کی آیات کے تناظر میں دیکھنے ، اور حل کرنے کی اشد ضرورت ہے ، اور یہ ممکن بھی ہے کیونکہ قرآن کریم نے انسانی فکر، اور اس کی عقل کو معطل چھوڑنے کے بجائے کارآمد بنانے کا درس دیا ہے۔

سفارشات

1۔ نئے فکری رجحانات تفسیری ادب پر کس قدر اثر انداز ہوئے، اس حوالے سے متعدد موضوعات سے متعلق تفسیری افادات کی شکل میں تیار شدہ کتب کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

2۔ معاشرے میں پروان چڑھنے والی متشددانہ فکر کے پس منظر، اسباب اور حل کے بارے میں تحقیق کی اشد ضرورت ہے، اس حوالے سے افراط و تفریط دونوں رخوں کا خیال رکھنا ضروری ہوگا۔

3۔ جدیدیت اور مابعد جدیدیت کی وجہ سے مسلم فکر کو درپیش خطرات اور قرآن کریم کی روشنی میں ان خطرات سے نبرد آزما ہونے کے لئے لائحہ عمل کے تعین پر تحقیق وقت کی اہم ضرورت ہے۔

حواشی

(1) دیکھئے [illegible]، ۱۴۱۴ھ، ج5، ص65

See: Ibn-e-Manzoor, Lisan-ul-Arab, Dar Sadir Beirut, 1414H, V:5, P:65

(2) ملاحظہ کیجئے [illegible] س۔ن، ج13، ص345

See: Murtaza Zubaidi, Taj-ul-Uroos Min Jwahiril Qamoos, Dar-ul-Hidayah, V:13, P:345

(3) رجوع کیجئے کیرانوی، مولانا وحید الدین قاسمی، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات، لاہور - کراچی، ۲۰۰۱ء، ص1248

Refer to: Wahid-ud-Din Qasmi, Al-Qamoos-ul-Waheed, Idara Islamiyat Lahore, 2000, P:1248

(4) دیکھئے الفیروزآبادی. [illegible] 817ھ. [illegible]، 1426ھ، ج1، ص485

See: Yaqoob Ferozabadi, Al-Qamoos-Ul-Muheet, Al-Resala Foundation for Printing, Publishing and Distribution, Beirut – Lebanon, 1426H, V:1, P:485

(5) ملاحظہ کیجئے [illegible] ج13، ص345، کیرانوی، القاموس الوحید، ص1248، [illegible] 1407ھ، ج2، ص783

See: Murtaza Zubaidi, Taj-ul-Uroos Min Jwahiril Qamoos, Dar-ul-Hidayah, V:13, P:345, Wahid-ud-Din Qasmi, Al-Qamoos-ul-Waheed, Idara Islamiyat Lahore, 2000, P:1248, Ismail bin Hammad Al-Johari, Taj-ul-Lugha Wa Sihah-ul-Arabia, Dar-ul-ilm lilmalayin Beirut, 1407H, V:2, P:783

(6) إعمال الخاطر في الشَّيء) از [illegible] ج5، ص65

(Implementation of the mind in something) by Ibn-e-Manzoor, Lisan-ul-Arab, V:5, P:65

(7) ([illegible]
[illegible] 1412 [illegible] ص643

Constant power to reach a known thing, and the turns of that power according to the mind's view, that is for the human being, not for the animal, and it cannot be said except in what can happen to him an image in the heart. Some of the writers said: Thought is inverted from al-farko, but thought is used in meanings, and it is observing things and searching for them to reach the truth by Al-Asfahani, Abul Qasim, Al-Husain Bin Muhammad Al-Mufradat fi Gharib-il-Quran, Dar-ul-Qalam, Syrian House Damascus, Beirut, 1412H, P:643

(8) ([illegible]
[illegible] س-ن، ج2، ص698

(Implementation of the mind in the known to reach knowledge of the unknown) Refer to: Ibrahim Mustafa, Ahmad Zayyat, Hamid Abdul Qadir, Muhammad Al-Najjar, (The Academy of the Arabic Language in Cairo), Al-Mujam al-Waseet, Dawa House, V:2, P:698

(9) [illegible] الأزمة
الفكرية، المعهد العالمی للفکر الاسلامی، الولایات المتحدة الامریکیة، 1414ھ، ص27

(A name for the process of reverberating the rational thinking powers in a person, whether he is a heart, a soul, or a mind, with consideration and contemplation to seek unknown meanings from known matters, or to reach judgments, or relationships between things) by Taha Jabir Alwani, The Intellectual Crisis, The International Institute of Islamic Thought, United States of America, 1414H, P:27

(10) (the act of carefully thinking about the details of something) - https://www.britannica.com/dictionary/ thought

(11) [illegible] ج5، ص65

See: Ibn-e-Manzoor, Lisan-ul-Arab, V:5, P:65

(12) ابن فارس، مقاییس اللغة، دارالفکر، 1399ھ، ج4، ص69، ابن فارس، مجمل اللغة، [illegible] 1406ھ ج1، ص617

Ibn-e-Faris, Maqaayees-ul-Lugha, Da-ul-Fikar, 1399H, V:4, P:69, Ibn-e-Faris, Mujmal-ul-Lugha, Al-Resala Foundation for Printing, Publishing and Distribution, Beirut, 1406H, V:1, P:617

(13) ملاحظہ کیجئے [illegible] ج30، ص18، [illegible] 1422ھ، ج1، ص137

See: Murtaza Zubaidi, Taj-ul-Uroos Min Jwahiril Qamoos, V:30, P:18, Ibn-e-Attia Al-Undlusi, Al-Muharrarul Al-Wajeez Fi Tafsir-il-Kitab-il-Aziz, Dar-ul-Kutub Al-Ilmia, Beirut, 1422H, V:1, P:137

(14) دیکھئے [illegible] 1364ھ، ص428۔9

See Muhammad Fawad Abdul Baqi, Al-Mujam-ul-Mufahras li-Alfaz-il-Quran, Dar-Ul Hadith, Cairo, 1364H, P:428 to 429

(15) [illegible] ج11، ص458

See: Ibn-e-Manzoor, Lisan-ul-Arab, V:11, P:458

(16) دیکھئے الجوهري، [illegible] ج2، ص653

See Ismail bin Hammad Al-Johari, Taj-ul-Lugha Wa Sihah-ul-Arabia, V:2, P:253

(17) الجرجانی، علي بن محمد بن علي الزين الشريف(المتوفى:816هـ)، كتاب التعريفات، دار الكتب العلمية بيروت -لبنان، ١٤٠٣ھ، ص ٥٤

Al-Jurjani, Ali bin Muhammad, Kitab-ut-Tarifat, Dar-ul-Kutub Al-Ilmiah, Buiret-Labnon, 1403H, P:54

(18) ابن قيم، محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين الجوزية، مدارج السالكين بين منازل إياك نعبد وإياك نستعين، دار الكتاب العربي بيروت، 1416ھ، ج1، ص449

Ibn-e-Qayyim, Muhammad Bin Ani Bakar, Madarij-us-Saalikin Baina Manazil Iyyaka Nabudu Wa Iyyaka Nastaeen, Dar-ul-Kitab Al-Arabi, Biuret, 1416H, V:1, P:449

(19) دیکھئے [illegible] ص252۔3

See Muhammad Fawad Abdul Baqi, Al-Mujam-ul-Mufahras li-Alfaz-il-Quran, P:252 to 253

(20) رجوع کیجئے [illegible] س۔ن، ص211

Refer to: Al-Damighani Al-Imam Abu Abdullah Husain Bin Muhammad, Al Wujooh Wan-Nazair Li-Alfaz Kitab-il-llah-il-Aziz, Daru-ul-Kutub Al-Ilmiah, Biuret, P:211

(21) دیکھئے [illegible] ص270-5

See Muhammad Fawad Abdul Baqi, Al-Mujam-ul-Mufahras li-Alfaz-il-Quran, P:270 to 275

(22) دیکھئے ابن الجوزی، جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمن بن علي بن محمد، نزهة الأعين النواظر في علم الوجوه والنظائر، 1404ھ، ج1، ص301-7

See Ibn-ul-Jozi, Jamal-ud-Din Ali Bin Muhammad, Nuzhat-ul-Aayun Al-Nawazir Fi Ilm-il-Wujoohe Wan-Nazair, 1404H, V:1, P:301 to 302

(23) فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ

(24) دیکھئے نعمانی، مولانا عبد الرشید، لغات القرآن، دار الاشاعت، 2007ء، ج6، ص189، [illegible] س-ن، ج:4، ص:112

See Nomani, Molana Abdul Rasheed, Lughat-ul-Quran Dar-ul-Ishaat, 2007, v:6, P:189, Al-Imadi Abo Saood Muhammad Bin Mustafa, Tafsir Abo Saood: Irshad-ul-Aqal Al-salim Ila Mazaya Al-Kitab Al-Karim, Daru Ihya Al-Turath Al-Arabi, Biuret, V:4, P:112

(25) دیکھئے [illegible] ص543

See Al-Asfahani, Abul Qasim, Al-Husain Bin Muhammad Al-Mufradat fi Gharib-il-Quran, P:543

(26) دیکھئے ابن فارس، مقاييس اللغة، ج4، ص109-11

Ibn-e-Faris, Maqaayees-ul-Lugha, V:4, P:109 to 111

(27) دیکھئے الجرجانی، علي بن محمد بن علي الزين الشريف، كتاب التعريفات، ص155

See Al-Jurjani, Ali bin Muhammad, Kitab-ut-Tarifat, P:155

(28) دیکھئے [illegible] ص469-81

See Muhammad Fawad Abdul Baqi, Al-Mujam-ul-Mufahras li-Alfaz-il-Quran, P:469 to 481

(29) دیکھئے [illegible] ص580-2

See Al-Asfahani, Abul Qasim, Al-Husain Bin Muhammad Al-Mufradat fi Gharib-il-Quran, P:580 to 582

(30) دیکھئے نعمانی، مولانا عبد الرشید، لغات القرآن، ج4، ص341

See Nomani, Molana Abdul Rasheed, Lughat-ul-Quran v:4, P:341

(31) دیکھئے سیوہاروی، مولانا محمد حفظ الرحمٰن، قصص القرآن، دار الاشاعت کراچی، 2002ء، ج: اوّل و دوم، ص119-62

See Syuharwi, Molana Muhammad Hifz-ur-Rehman, Qassas-ul-Quran, Dar-ul-Ishaat Karachi, 2002, V:1&2, P:119 to 162

(32) حالانکہ پاکستان میں اسلام کے احکامات پر عمل داری اور اسلامی طرزِ زندگی پوری آب وتاب کے ساتھ نہیں، بلکہ آئین کے اسلامی ہونے کے باوجود اہلیان پاکستان کو اسلام کے آئیڈیل نظام کو اپنی انفرادی واجتماعی زندگی میں لانے کے لئے معلوم نہیں کہ مزید کتنا وقت لگے گا!، اگر وہ اسلام کے حقیقی اور آئیڈیل سسٹم کو دیکھ لیتے، تو ان کے جذبات اس سے بھی زیادہ بھرپور ہوتے۔

Although in Pakistan, the Islamic way of life is not followed with full devotion, but even though the constitution is Islamic, the people of Pakistan do not know how much more time it will take to bring the ideal system of Islam into their individual and collective lives. if they had seen the real and ideal system of Islam, their feelings would have been even stronger.

(33) دیکھئے فاروق، ڈاکٹر عبد الغنی، ہم کیوں مسلمان ہوئے، کتاب سرائے، بیت الحکمت، لاہور، 2010ء، ص19-22

See Farooq, Doc Abdul Ghani, why we became Muslims, Kitab Sarai, Bait-ul-Hikmat Lahore, 2010, P:19 to 22

(34) دیکھئے موریس بوکائے، بائبل قرآن اور سائنس، (اردو مترجم: ثناء الحق صدیقی)، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، 1993ء، ص6-25

See Maurice Bokay, The Bible, Qur'an, and Science, (Urdu translation by: Sana-ul-Haqq Siddiqui), Idarat al-Qur'an wal Uloom al-Islamiyah, Karachi, 1993, P: 6 to 25

(35) العنکبوت:43، البقرۃ:170،164، المائدۃ:103،58، الانفال:22، یونس:42، الرعد:4، النحل:67،12، الحج:46، الفرقان:44، العنکبوت:63،35، الروم:28،24، یس:68، الجاثیۃ:5، الحشر:14۔

Al-Ankabut: 43, Al-Baqarah: 164, 170, Al-Maidah: 58, 103, Al-Anfal: 22, Yunas: 42, Al-Raad: 4, Al-Nahal:12, 67, Al-Hajj: 46, Al-Furqan:44, Al-Ankabut: 35, 63, Al-Room 24, 28, Al-Jathia: 5, Al-Hasher: 14

(36) البقرۃ:30، البلد:10

Al-Baqarah:30, Al-Balad:10

(37) الاسراء:70

Al-Isra:70

(38) المائدۃ:48، الانعام:165، ھود:7، الملک:2

Al-Maidah:48, Al-Anaam:165, Hud:7, Al-Mulk:2

(39) النحل:72، الروم:28،21، الشوریٰ:11، الذاریات:21

Al-Nahal:72, Al-Room:21,28, Al-Shura:11, Al-Zariat:21

(40) الصافات:53

Al-Saaffaat:53

(41) قرآن کریم میں تذکیر بایام اللہ پر مشتمل آیات، بطورِ مثال: الفجر:6-13

Verses in the Holy Qur'an containing Tazkir-Bi-ayyamillah, for example: Al-Fajr: 6 to 13

(42) الواقعۃ:56۔73

Al-Waqia: 56 to 73

(43) الفرقان:73

Al-Furqan: 73

(44) ملاحظہ کیجئے ڈاکٹر محمد رفیع الدین، قرآن اور علم جدید، ڈاکٹر رفیع الدین فاؤنڈیشن، قرآن اکیڈمی لاہور، 2016، ص92۔4

Refer to: Dr Rafi-ud-Din, Quran and Modern Knowledge, Doc Rafi-ud-Din Foundation, Quran Academy Lahore, 2016, P:92 to 94

(45) دیکھئے گیلانی، مولانا مناظر اَحسن، الدین القیم، مکتبہ اسعدیہ کراچی، 2010ء، ص31۔3

See Geelani, Maulana Munazir Ahsan, Al-Uddin Al Qaim, Maktaba Asadia Karachi, 2010, P:31 to 33

(46) دیکھئے گیلانی، مولانا مناظر اَحسن، الدین القیم، ص42

See Geelani, Maulana Munazir Ahsan, Al-Uddin Al Qaim, P:42

(47) ملاحظہ کیجئے ڈاکٹر محمد رفیع الدین، قرآن اور علم جدید، ص92۔4

See Dr Rafi-ud-Din, Quran and Modern Knowledge P:92 to 94

(48) دیکھئے گیلانی، مولانا مناظر اَحسن، الدین القیم، ص34۔8

(49) دیکھئے عثمانی، مفتی محمد تقی، علوم القرآن، مکتبہ دارالعلوم کراچی، 1415ھ، ص25۔8، گیلانی، مولانا مناظر اَحسن، الدین القیم، ص34۔8

See Uthmani, Mufti Muhammad Taqi, Quranic Sciences, Maktaba Dar-ul-Uloom Karachi, 1415H, P:25 to 28,

(50) ملاحظہ کیجئے ڈاکٹر محمد رفیع الدین، قرآن اور علم جدید، ص137۔45

See Dr Rafi-ud-Din, Quran and Modern Knowledge P:137 to 145

(51) رجوع کیجئے سیوہاروی، قصص القرآن، ج:اول ودوم، ص27۔30

See Syuharwi, Molana Muhammad Hifz-ur-Rehman, Qassas-ul-Quran, V:1&2, P:27 to 30

(52) عمومی رائے یہی ہے، البتہ اس کے ساتھ ہی ایک اور رائے یہ بھی ہے کہ یونانیوں سے پہلے بھی بابل اور مصری تہذیب میں فلسفیانہ مباحث موجود تھے، تاہم وہ سارا فلسفہ غیر منظم انداز میں تھا، منظم انداز میں یونانیوں نے فلسفے کو پروان چڑھایا، جس کا آغاز تھیلیسز اور اس کے ہمنواؤں نے کیا اور اس کو عروج افلاطون، سقراط اور ارسطو کے ذریعے نصیب ہوا۔

This is the general opinion, but there is also another opinion that there were philosophical debates in the Babylonian and Egyptian civilization before the Greeks, however, all that philosophy was in an unorganized way, the Greeks

developed philosophy in a systematic way begun by Thales and his contemporaries and flourished by Plato, Socrates, and Aristotle.

(53) Joshua j. Mark, Greek Philosophy, World History Encyclopedia (https://member.worldhistory.org/Greek_Philosophy/)

(54) دیکھئے نیسل،ڈاکٹر ویلہلم، مختصر تاریخ فلسفہ یونان،(اردو مترجم:خلیفہ عبدالحکیم صاحب)،دار طبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن، س۔ن۔ ص1۔24

See Nessel, Dr. Wilhelm, Brief History of Greek Philosophy, (Urdu translator: Khalifa Abdul Hakim Sahib), Osmania Jamia Hyderabad Deccan, P:1 to 24

(55) Joshua j. Mark, Greek Philosophy, World History Encyclopedia (https://member.worldhistory.org/Greek_Philosophy/)

(56) دیکھئے نیسل،ڈاکٹر ویلہلم، مختصر تاریخ فلسفہ یونان،(اردو مترجم: خلیفہ عبدالحکیم صاحب)، ص15۔196

(57) https://www.britannica.com/topic/Western-philosophy/Medieval-philosophy

(58) دیکھئے عثمانی، مفتی محمد تقی، اسلام اور سیاسی نظریات، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ۲۰۱۰ء، ص61

(59) یہ دور اگرچہ مغرب کے لئے تاریک دور تھا، اور انہوں نے اس کو تمام انسانوں کے لئے تاریک دور قرار دیا حالانکہ اسی وقت کا دور مسلمانوں کے لئے انتہائی روشن دور تھا اور اسلامی سرزمین میں ہر طرف علم رواں دواں تھا جس کی ایک جھلک آپ کو اسی باب کی فصلِ سوم میں مسلم فکر کے ارتقاء کے ذیل میں ملے گی۔

Although this period was a dark period for the West, and they called it a dark period for all mankind, although the same period was a very bright period for Muslims and knowledge was flowing everywhere in the Islamic land, a glimpse of which you can see. will be found under the evolution of Muslim thought in the third chapter of the same chapter.

(60) James Fieser, Medieval Philosophy, The History of philosophy: The Short Servay, Revised:1/1/2021,(https://www.utm.edu/staff/jfieser/class/110/5-medieval.htm)

(61) http://www.philosophypages.com/hy/3b.htm

(62) James Fieser, Medieval Philosophy, The History of philosophy: The Short Servay, Revised:1/1/2021:https://www.utm.edu/staff/jfieser/class/110/5-medieval.htm

(63) https://www.encyclopedia.com/history/news-wires-white-papers-and-books/early-medieval-philosophy-emerging-dark-ages

(64) https://www.britannica.com/topic/Western-philosophy/The-transition-to-Scholasticism

(65) https://www.britannica.com/topic/Western-philosophy/The-late-Middle-Ages

(66) Joshua J. Mark, Protestant Reformation, https://member.worldhistory.org/ Protestant_Reformation/

(67) https://www.britannica.com/summary/Reformation-Causes-and-Effects

(68) Joshua J.Mark, Protestant Reformation https://member.worldhistory.org/ Protestant Reformation/

(69) Owen Jarus, The Renaissance: The 'Rebirth' of science & culture, https://www.livescience.com/55230-renaissance.html, https://guides.loc.gov/renaissance-era-resources

(70) https://www.britannica.com/event/Renaissance

(71) https://www.britannica.com/topic/Western-philosophy/Renaissance-philosophy

(72) https://www.newworldencyclopedia.org/entry/Age_of_Enlightenment

(73) Klein, Jürgen and Guido Giglioni, "Francis Bacon", *The Stanford Encyclopedia of Philosophy* (Fall 2020 Edition), Edward N. Zalta (ed.), URL =<https://plato.stanford.edu/ archives/fall2020/entries/Francis-bacon/>

(74) Rabin, Sheila, "Nicolaus Copernicus", *The Stanford Encyclopedia of Philosophy* (Fall 2019 Edition), Edward N. Zalta (ed.), URL =<https://plato.stanford.edu/archives/ fall2019/entries/Copernicus/>.

(75) اس دور کے عظیم مفکرین میں کوپرنیکس، برونو، گلیلیو، کیتھر، نیوٹن، جیسے لوگ ملتے ہیں، اور ہر اس شخص کو اذیتوں سے گزرنا پڑا جس نے کلیسا کے مخالف نظریہ پیش کیا۔

Among the great thinkers of this period are people like Copernicus, Bruno, Galileo, Cather, Newton, and this person had to go through persecution for presenting anti-Church views.

(76) Rabin, Sheila, "Nicolaus Copernicus", *The Stanford Encyclopedia of Philosophy* (Fall 2019Edition),Edward N. Zalta (ed.), URL =<https://plato.stanford.edu/archives/ fall2019/entries/Copernicus/>.

(77) https://www.britannica.com/biography/Giordano-Bruno

(78) https://www.britannica.com/art/Modernism-art

(79) احمد جاوید، لیکچر: جدیدیت کیا ہے؟(https://youtu.be/icY6fziL9M0)

Ahmed Javed, Lecture: What is Modernism? (https://youtu.be/icY6fziL9M0)